گا۔ (۱) (۶۸)

وَاَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَیْدُ سٰحِرٍ ؕ وَلَا یُفْلِحُ السَّاحِرُ حَیْثُ اَتٰى ﴿۶۹﴾

اور تیرے دائیں ہاتھ میں جو ہے اسے ڈال دے کہ ان کی تمام کاریگری کو وہ نگل جائے' انہوں نے جو کچھ بنایا ہے یہ صرف جادوگروں کے کرتب ہیں اور جادوگر کہیں سے بھی آئے کامیاب نہیں ہوتا۔(۶۹)

فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ﴿۷۰﴾

اب تو تمام جادوگر سجدے میں گر پڑے اور پکار اٹھے کہ ہم تو ہارون اور موسیٰ (علیہما السلام) کے رب پر ایمان لائے۔(۷۰)

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ

فرعون کہنے لگا کہ کیا میری اجازت سے پہلے ہی تم اس پر ایمان لے آئے؟ یقیناً یہی تمہارا وہ بڑا بزرگ ہے جس نے

(۱) اس دہشت ناک منظر کو دیکھ کر اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خوف محسوس کیا' تو یہ ایک طبعی چیز تھی' جو کمال نبوت کے منافی ہے نہ عصمت کے۔ کیوں کہ نبی بھی بشر ہی ہوتا ہے اور بشریت کے طبعی تقاضوں سے نہ وہ بالا ہوتا ہے نہ ہو سکتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح انبیا کو دیگر انسانی عوارض لاحق ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں' اسی طرح وہ جادو سے بھی متاثر ہو سکتے ہیں' جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی یہودیوں نے جادو کیا تھا' جس کے کچھ اثرات آپ محسوس کرتے تھے' اس سے بھی منصب نبوت پر کوئی حرف نہیں آتا' کیوں کہ اس سے کار نبوت متاثر نہیں ہوتا' اللہ تعالیٰ نبی کی حفاظت فرماتا ہے اور جادو سے وحی یا فریضۂ رسالت کی ادائیگی کو متاثر نہیں ہونے دیتا۔ اور ممکن ہے کہ یہ خوف اس لیے ہو کہ میری لاٹھی ڈالنے سے قبل ہی کہیں لوگ ان کرتبوں اور شعبدہ بازیوں سے متاثر نہ ہو جائیں' لیکن اغلب ہے کہ یہ خوف اس لیے ہوا کہ ان جادوگروں نے بھی جو کرتب دکھایا' وہ لاٹھیوں کے ذریعے سے ہی دکھایا' جب کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی لاٹھی ہی تھی جسے انھیں زمین پر پھینکنا تھا' موسیٰ علیہ السلام کے دل میں خیال آیا کہ دیکھنے والے اس سے شبہے اور مغالطے میں نہ پڑ جائیں اور وہ یہ نہ سمجھ لیں کہ دونوں نے ایک ہی قسم کا جادو پیش کیا' اس لیے یہ فیصلہ کیسے ہو کہ کون سا جادو ہے کون سا معجزہ؟ کون غالب ہے کون مغلوب؟ گویا جادو اور معجزے کا جو فرق واضح کرنا مقصود ہے' وہ مذکورہ مغالطے کی وجہ سے حاصل نہ ہو سکے گا' اس سے معلوم ہوا کہ انبیا کو بسا اوقات یہ علم بھی نہیں ہوتا کہ ان کے ہاتھ پر کس نوعیت کا معجزہ ظہور پذیر ہونے والا ہے۔ خود معجزہ کو ظاہر کرنے پر قدرت تو دور کی بات ہے' یہ تو محض اللہ کا کام ہے کہ وہ انبیا کے ہاتھ پر معجزات ظاہر فرمائے' بہرحال موسیٰ علیہ السلام کے اس اندیشے اور خوف کو دور کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا' موسیٰ (علیہ السلام) کسی بھی لحاظ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے' تو ہی غالب رہے گا' اس جملے سے طبعی خوف اور دیگر اندیشوں' سب کا ہی ازالہ فرمادیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا' جیسا کہ اگلی آیات میں ہے۔

السِّحْرَ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ؗ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ﴿۷۱﴾

تم سب کو جادو سکھایا ہے' (سن لو) میں تمہارے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے[1] کٹوا کر تم سب کو کھجور کے تنوں میں سولی پر لٹکوا دوں گا' اور تمہیں پوری طرح معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کس کی مار زیادہ سخت اور دیرپا ہے-(۷۱)

قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ؕ﴿۷۲﴾

انہوں نے جواب دیا کہ ناممکن ہے کہ ہم تجھے ترجیح دیں ان دلیلوں پر جو ہمارے سامنے آچکیں اور اس اللہ پر جس نے ہمیں پیدا کیا ہے[2] اب تو تو جو کچھ کرنے والا ہے کر گزر' تو جو کچھ بھی حکم چلا سکتا ہے وہ اسی دنیوی[3] زندگی میں ہی ہے-(۷۲)

اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۷۳﴾

ہم (اس امید سے) اپنے پروردگار پر ایمان لائے کہ وہ ہماری خطائیں معاف فرما دے اور (خاص کر) جادوگری (کا گناہ)' جس پر تم نے ہمیں مجبور کیا ہے'[4] اللہ ہی بہتر

---

(۱) مِنْ خِلَافٍ (الٹے سیدھے) کا مطلب ہے سیدھا ہاتھ تو بایاں پاؤں یا بایاں ہاتھ تو سیدھا پاؤں-

(۲) یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جب وَالَّذِيْ فَطَرَنَا کا عطف مَا جَآءَنَا پر ہو- اور یہ بھی صحیح ہے- تاہم بعض مفسرین نے اسے قسم قرار دیا ہے- یعنی قسم ہے اس ذات کی جس نے ہمیں پیدا کیا' ہم تجھے ان دلیلوں پر ترجیح نہیں دیں گے جو ہمارے سامنے آچکیں-

(۳) یعنی تیرے بس میں جو کچھ ہے' وہ کر لے' ہمیں معلوم ہے کہ تیرا بس صرف اس دنیا میں ہی چل سکتا ہے- جب کہ ہم جس پروردگار پر ایمان لائے ہیں اس کی حکمرانی تو دنیا و آخرت دونوں جگہوں پر ہے- مرنے کے بعد ہم تیری حکمرانی اور تیرے ظلم و ستم سے تو بچ جائیں گے' کیوں کہ جسموں سے روح کے نکل جانے کے بعد تیرا اختیار ختم ہو جائے گا- لیکن اگر ہم اپنے رب کے نافرمان رہے' تو ہم مرنے کے بعد بھی رب کے اختیار سے باہر نہیں نکل سکتے' وہ ہمیں سخت عذاب دینے پر قادر ہے- رب پر ایمان لانے کے بعد ایک مومن کی زندگی میں جو عظیم انقلاب آنا اور دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی دائمی زندگی پر جس طرح یقین ہونا چاہیے اور پھر اس عقیدہ و ایمان پر جو تکلیفیں آئیں' انہیں جس حوصلہ و صبر اور عزم و استقامت سے برداشت کرنا چاہیے' جادوگروں نے اس کا ایک بہترین نمونہ پیش کیا کہ ایمان لانے سے قبل کس طرح وہ فرعون سے انعامات اور دنیاوی جاہ و منصب کے طالب تھے' لیکن ایمان لانے کے بعد کوئی ترغیب و تحریض انہیں متزلزل کر سکی' نہ تشدید و تعذیب کی دھمکیاں انہیں ایمان سے منحرف کرنے میں کامیاب ہو سکیں-

(۴) دوسرا ترجمہ اس کا یہ ہے کہ "ہماری وہ غلطیاں بھی معاف فرما دے جو موسیٰ (علیہ السلام) کے مقابلے میں تیرے

اِنَّهٗ مَنۡ يَّاۡتِ رَبَّهٗ مُجۡرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ‌ؕ لَا يَمُوۡتُ فِيۡهَا وَلَا يَحۡيٰى ﴿۷۴﴾

وَمَنۡ يَّاۡتِهٖ مُؤۡمِنًا قَدۡ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓٮِٕكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الۡعُلٰى ۙ﴿۷۵﴾

جَنّٰتُ عَدۡنٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا‌ ؕ وَذٰ لِكَ جَزٰٓؤُا مَنۡ تَزَكّٰى ﴿۷۶﴾

وَلَقَدۡ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى مُوۡسٰٓى ۙ اَنۡ اَسۡرِ بِعِبَادِىۡ فَاضۡرِبۡ لَهُمۡ طَرِيۡقًا فِى الۡبَحۡرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخۡشٰى ﴿۷۷﴾

اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔[1] (۷۳)

بات یہی ہے کہ جو بھی گنہگار بن کر اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہو گا اس کے لیے دوزخ ہے' جہاں نہ موت ہو گی اور نہ زندگی۔[2] (۷۴)

اور جو بھی اس کے پاس ایمان کی حالت میں حاضر ہو گا اور اس نے اعمال بھی نیک کیے ہوں گے اس کے لیے بلند و بالا درجے ہیں۔(۷۵)

ہیشگی والی جنتیں جن کے نیچے نہریں لہریں لے رہی ہیں جہاں وہ ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے۔ یہی انعام ہے ہر اس شخص کا جو پاک ہوا۔[3] (۷۶)

ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف وحی نازل فرمائی کہ تو راتوں رات میرے بندوں کو لے چل'[4] اور ان کے لیے دریا میں خشک راستہ بنا لے'[5] پھر نہ تجھے کسی کے

مجبور کرنے پر ہم نے عمل جادو کی صورت میں کیں۔" اس صورت میں مَا أَكْرَهْتَنَا کا عطف خَطَايَانَا پر ہو گا۔

(۱) یہ فرعون کے الفاظ' ﴿ وَلَتَعۡلَمُنَّ اَيُّنَاۤ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبۡقٰى ﴾ کا جواب ہے کہ اے فرعون! تو جو سخت ترین عذاب کی ہمیں دھمکی دے رہا ہے' اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمیں اجر و ثواب ملے گا' وہ اس سے کہیں زیادہ بہتر اور پائیدار ہے۔

(۲) یعنی عذاب سے تنگ آ کر موت کی آرزو کریں گے' تو موت نہیں آئے گی اور رات دن عذاب میں مبتلا رہنا' کھانے پینے کو زقوم جیسا تلخ درخت اور جہنمیوں کے جسموں سے نچڑا ہوا خون اور پیپ ملنا' یہ کوئی زندگی ہو گی؟ اَللّٰهُمَّ أَجِرْنَا مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ.

(۳) جہنمیوں کے مقابلے میں اہل ایمان کو جو جنت کی پر آسائش زندگی ملے گی' اس کا ذکر فرمایا اور واضح کر دیا کہ اس کے مستحق وہ لوگ ہوں گے جو ایمان لانے کے بعد اس کے تقاضے بھی پورے کریں گے یعنی اعمال صالحہ اختیار اور اپنے نفس کو گناہوں کی آلودگی سے پاک کریں گے۔ اس لیے کہ ایمان زبان سے صرف چند کلمات ادا کر دینے کا نام نہیں ہے بلکہ عقیدہ و عمل کے مجموعے کا نام ہے۔

(۴) جب فرعون ایمان بھی نہیں لایا اور بنی اسرائیل کو بھی آزاد کرنے پر آمادہ نہیں ہوا' تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا۔

(۵) اس کی تفصیل سورۃ الشعراء میں آئے گی کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے سمندر میں لاٹھی ماری' جس سے

آپکڑنے کا خطرہ ہو گا نہ ڈر۔ (۱) (۷۷)

فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿۷۸﴾

فرعون نے اپنے لشکروں سمیت ان کا تعاقب کیا پھر تو دریا ان سب پر چھا گیا جیسا کچھ چھا جانے والا تھا۔ (۲) (۷۸)

وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿۷۹﴾

فرعون نے اپنی قوم کو گمراہی میں ڈال دیا اور سیدھا راستہ نہ دکھایا۔ (۳) (۷۹)

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿۸۰﴾

اے بنی اسرائیل! دیکھو ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دی اور تم سے کوہ طور کی دائیں طرف کا وعدہ (۴) کیا اور تم پر من و سلویٰ اتارا۔ (۵) (۸۰)

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ

تم ہماری دی ہوئی پاکیزہ روزی کھاؤ' اور اس میں حد سے آگے نہ بڑھو' (۶) ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہو گا' اور

سمندر میں گزرنے کے لیے خشک راستہ بن گیا۔

(۱) خطرہ فرعون اور اس کے لشکر کا اور ڈر پانی میں ڈوبنے کا۔

(۲) یعنی اس خشک راستے پر جب فرعون اور اس کا لشکر چلنے لگا' تو اللہ نے سمندر کو حکم دیا کہ حسب سابق رواں دواں ہو جا' چنانچہ وہ خشک راستہ چشم زدن میں پانی کی موجوں میں تبدیل ہو گیا اور فرعون سمیت سارا لشکر غرق ہو گیا' غَشِيَهُمْ ' کے معنی ہیں عَلَاهُمْ وَأَصَابَهُمْ سمندر کا پانی ان پر غالب آگیا۔ مَا غَشِيَهُمْ ' یہ تکرار تعظیم و تہویل یعنی ہولناکی کے بیان کے لیے ہے۔ یا اس کے معنی ہیں "جو کہ مشہور و معروف ہے۔"

(۳) اس لیے کہ سمندر میں غرق ہونا ان کا مقدر تھا۔

(۴) وَوَاعَدْنَاكُمْ میں ضمیر جمع مخاطب کی ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر تمہیں یعنی تمہارے نمائندے بھی ساتھ لے کر آئیں' تاکہ تمہارے سامنے ہی ہم موسیٰ علیہ السلام سے ہمکلام ہوں' یا ضمیر جمع اس لیے لائی گئی کہ کوہ طور پر موسیٰ علیہ السلام کو بلانا' بنی اسرائیل ہی کی خاطر اور انہی کی ہدایت و رہنمائی کے لیے تھا۔

(۵) مَنٌّ وَسَلْوَىٰ کے نزول کا واقعہ' سورۂ بقرہ کے آغاز میں گزر چکا ہے۔ مَنٌّ کوئی میٹھی چیز تھی جو آسمان سے نازل ہوتی تھی اور سَلْوَىٰ سے مراد بٹیر پرندے ہیں جو کثرت سے ان کے پاس آتے اور وہ حسب ضرورت انہیں پکڑ کر پکاتے اور کھالیتے۔ (ابن کثیر)

(۶) طُغْيَانٌ کے معنی ہیں تجاوز کرنا۔ یعنی حلال اور جائز چیزوں کو چھوڑ کر حرام اور ناجائز چیزوں کی طرف تجاوز مت کرو' یا اللہ کی نعمتوں کا انکار کر کے یا کفران نعمت کا ارتکاب کر کے یا منعم کی نافرمانی کر کے حد سے تجاوز نہ کرو' ان تمام مفہومات پر طغیان کا لفظ صادق آتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ طغیان کا مفہوم ہے' ضرورت و حاجت سے زیادہ پرندے پکڑنا۔ یعنی حاجت کے مطابق پرندے پکڑو اور اس سے تجاوز مت کرو۔

فَقَدْ هَوٰى ﴿۸۱﴾

جس پر میرا غضب نازل ہو جائے وہ یقیناً تباہ ہوا۔[1] (۸۱)

وَاِنِّىْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿۸۲﴾

ہاں بیشک میں انہیں بخش دینے والا ہوں جو توبہ کریں ایمان لائیں نیک عمل کریں اور راہ راست پر بھی رہیں۔[2] (۸۲)

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۸۳﴾

اے موسیٰ! تجھے اپنی قوم سے (غافل کر کے) کون سی چیز جلدی لے آئی؟(۸۳)

قَالَ هُمْ اُولَاۗءِ عَلٰٓى اَثَرِىْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿۸۴﴾

کہا کہ وہ لوگ بھی میرے پیچھے ہی پیچھے ہیں' اور میں نے اے رب! تیری طرف جلدی اس لیے کی کہ تو خوش ہو جائے۔[3] (۸۴)

قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿۸۵﴾

فرمایا! ہم نے تیری قوم کو تیرے پیچھے آزمائش میں ڈال دیا اور انہیں سامری نے بہکا دیا ہے۔[4] (۸۵)

فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ

پس موسیٰ (علیہ السلام) سخت غضبناک ہو کر رنج کے ساتھ واپس لوٹے' اور کہنے لگے کہ اے میری قوم والو! کیا تم سے

---

(۱) دوسرے معنی یہ بیان کیے گئے ہیں کہ وہ ہاویہ یعنی جہنم میں گرا۔ ہاویہ جہنم کا نچلا حصہ ہے یعنی جہنم کی گہرائی والے حصے کا مستحق ہو گیا۔

(۲) یعنی مغفرت الٰہی کا مستحق بننے کے لیے چار چیزیں ضروری ہیں۔ کفرو شرک اور معاصی سے توبہ' ایمان' عمل صالح اور راہ راست پر چلتے رہنا یعنی استقامت حتیٰ کہ ایمان ہی پر اسے موت آئے' ورنہ ظاہر بات ہے کہ توبہ و ایمان کے بعد اگر اس نے پھر شرک و کفر کا راستہ اختیار کر لیا' حتیٰ کہ موت بھی اسے کفرو شرک پر ہی آئے تو مغفرت الٰہی کے بجائے' عذاب کا مستحق ہو گا۔

(۳) سمندر پار کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے سربر آوردہ لوگوں کو ساتھ لے کر کوہ طور کی طرف چلے' لیکن رب کے شوق ملاقات میں تیز رفتاری سے ساتھیوں کو پیچھے چھوڑ کر اکیلے ہی طور پر پہنچ گئے' سوال کرنے پر جواب دیا' مجھے تو تیری رضا کی طلب اور اس کی جلدی تھی۔ وہ لوگ میرے پیچھے ہی آ رہے ہیں۔ بعض کہتے ہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ میرے پیچھے آ رہے ہیں بلکہ یہ ہے کہ وہ میرے پیچھے کوہ طور کے قریب ہی ہیں اور وہاں میری واپسی کے منتظر ہیں۔

(۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد سامری نامی شخص نے بنی اسرائیل کو بچھڑا پوجنے پر لگا دیا' جس کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے طور پر موسیٰ علیہ السلام کو دی کہ سامری نے تو تیری قوم کو گمراہ کر دیا ہے۔ فتنے میں ڈالنے کی نسبت اللہ نے اپنی طرف بہ حیثیت خالق کے کی ہے' ورنہ اس گمراہی کا سبب تو سامری ہی تھا جیسا کہ أَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ سے واضح ہے۔

اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۥ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿۸۶﴾

تمہارے پروردگار نے نیک وعدہ نہیں کیا[1] تھا؟ کیا اس کی مدت تمہیں لمبی معلوم ہوئی؟[2] بلکہ تمہارا ارادہ ہی یہ ہے کہ تم پر تمہارے پروردگار کا غضب نازل ہو؟ کہ تم نے میرے وعدے کا خلاف کیا۔[3] (۸۶)

قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾

انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے اختیار سے آپ کے ساتھ وعدے کا خلاف نہیں کیا۔[4] بلکہ ہم پر زیورات قوم کے جو بوجھ لاد دیے گئے تھے انہیں ہم نے ڈال دیا' اور اسی طرح سامری نے بھی ڈال دیے۔(۸۷)

فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۥ فَنَسِيَ ﴿۸۸﴾

پھر اس نے لوگوں کے لیے ایک بچھڑا نکال کھڑا کیا یعنی بچھڑے کا بت' جس کی گائے کی سی آواز بھی تھی پھر کہنے لگے کہ یہی تمہارا بھی معبود ہے[5] اور موسیٰ کا بھی' لیکن موسیٰ بھول گیا ہے۔(۸۸)

اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۥ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿۸۹﴾

کیا یہ گمراہ لوگ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ وہ تو ان کی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا اور نہ ان کے کسی برے بھلے

---

(۱) اس سے مراد جنت کا یا فتح و ظفر کا وعدہ ہے اگر وہ دین پر قائم رہے یا تورات عطا کرنے کا وعدہ ہے' جس کے لیے طور پر انہیں بلایا گیا تھا۔

(۲) کیا اس عہد کو مدت دراز گزر گئی تھی کہ تم بھول گئے' اور بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔

(۳) قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ ان کی طور سے واپسی تک وہ اللہ کی اطاعت و عبادت پر قائم رہیں گے' یا یہ وعدہ تھا کہ ہم بھی طور پر آپ کے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں۔ لیکن راستے میں ہی رک کر انہوں نے گوسالہ پرستی شروع کر دی۔

(۴) یعنی ہم نے اپنے اختیار سے یہ کام نہیں کیا بلکہ یہ غلطی ہم سے اضطراری طور پر ہو گئی' آگے اس کی وجہ بیان کی۔

(۵) زِيْنَةٌ سے' زیورات اور اَلْقَوْمِ سے قوم فرعون مراد ہے۔ کہتے ہیں یہ زیورات انہوں نے فرعونیوں سے عاریتاً لیے تھے' اسی لیے انہیں اَوْزَارٌ وِزْرٌ (بوجھ) کی جمع کہا گیا ہے' کیوں کہ یہ ان کے لیے جائز نہیں تھے' چنانچہ انہیں جمع کر کے ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا' سامری نے بھی (جو مسلمانوں کے بعض گمراہ فرقوں کی طرح) گمراہ تھا' کچھ ڈالا' (اور وہ مٹی تھی جیسا کہ آگے صراحت ہے) پھر اس نے تمام زیورات کو تپا کر ایک طرح کا بچھڑا بنا دیا کہ جس میں ہوا کے اندر' باہر آنے جانے سے ایک قسم کی آواز پیدا ہوتی تھی۔ اس آواز سے اس نے بنی اسرائیل کو گمراہ کیا کہ موسیٰ علیہ السلام تو گمراہ ہو گئے ہیں کہ وہ اللہ سے ملنے کے لیے طور پر گئے ہیں' جب کہ تمہارا اور موسیٰ علیہ السلام کا معبود تو یہ ہے۔

کا اختیار رکھتا ہے۔[1] (٨٩)

وَلَقَدۡ قَالَ لَهُمۡ هٰرُوۡنُ مِنۡ قَبۡلُ يٰقَوۡمِ اِنَّمَا فُتِنۡتُمۡ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحۡمٰنُ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ وَاَطِيۡعُوۡۤا اَمۡرِىۡ ﴿٩٠﴾

اور ہارون (علیہ السلام) نے اس سے پہلے ہی ان سے کہہ دیا تھا اے میری قوم والو! اس بچھڑے سے تو صرف تمہاری آزمائش کی گئی ہے، تمہارا حقیقی پروردگار تو اللہ رحمٰن ہی ہے، پس تم سب میری تابعداری کرو۔ اور میری بات مانتے چلے جاؤ۔[2] (٩٠)

قَالُوۡا لَنۡ نَّبۡرَحَ عَلَيۡهِ عٰكِفِيۡنَ حَتّٰى يَرۡجِعَ اِلَيۡنَا مُوۡسٰى ﴿٩١﴾

انہوں نے جواب دیا کہ موسیٰ (علیہ السلام) کی واپسی تک تو ہم اسی کے مجاور بنے بیٹھے رہیں گے۔[3] (٩١)

قَالَ يٰهٰرُوۡنُ مَا مَنَعَكَ اِذۡ رَاَيۡتَهُمۡ ضَلُّوۡۤا ۙ ﴿٩٢﴾

موسیٰ (علیہ السلام) کہنے لگے اے ہارون! انہیں گمراہ ہوتا ہوا دیکھتے ہوئے تجھے کس چیز نے روکا تھا۔ (٩٢)

اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَيۡتَ اَمۡرِىۡ ﴿٩٣﴾

کہ تو میرے پیچھے نہ آیا۔ کیا تو بھی میرے فرمان کا نافرمان بن بیٹھا۔[4] (٩٣)

قَالَ يَبۡنَؤُمَّ لَا تَاۡخُذۡ بِلِحۡيَتِىۡ وَلَا بِرَاۡسِىۡ ۚ اِنِّىۡ خَشِيۡتُ اَنۡ تَقُوۡلَ فَرَّقۡتَ بَيۡنَ بَنِىۡۤ اِسۡرَاۤءِيۡلَ وَلَمۡ تَرۡقُبۡ قَوۡلِىۡ ﴿٩٤﴾

ہارون (علیہ السلام) نے کہا اے میرے ماں جائے بھائی! میری داڑھی نہ پکڑ، اور سر کے بال نہ کھینچ، مجھے تو صرف یہ خیال دامن گیر ہوا کہ کہیں آپ یہ (نہ) فرمائیں[5] کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور

---

(١) اللہ تعالیٰ نے ان کی جہالت و نادانی کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ان عقل کے اندھوں کو اتنا بھی نہیں پتہ چلا کہ یہ بچھڑا کوئی جواب دے سکتا ہے، نہ نفع نقصان پہنچانے پر قادر ہے۔ جب کہ معبود تو وہی ہو سکتا ہے جو ہر ایک کی فریاد سننے پر، نفع و نقصان پہنچانے پر اور حاجت برآری پر قادر ہو۔

(٢) حضرت ہارون علیہ السلام نے یہ اس وقت کہا جب یہ قوم سامری کے پیچھے لگ کر بچھڑے کی عبادت میں لگ گئی۔

(٣) اسرائیلیوں کو یہ گوسالہ اتنا اچھا لگا کہ ہارون علیہ السلام کی بات کی بھی پروا نہیں کی اور اس کی تعظیم و عبادت چھوڑنے سے انکار کر دیا۔

(٤) یعنی اگر انہوں نے تیری بات ماننے سے انکار کر دیا تھا، تو تجھ کو فوراً میرے پیچھے کوہ طور پر آکر مجھے بتلانا چاہیے تھا۔ تو نے بھی میرے حکم کی پروا نہیں کی۔ یعنی جانشینی کا صحیح حق ادا نہیں کیا۔

(٥) حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کو شرک کی گمراہی میں دیکھ کر سخت غضب ناک تھے اور سمجھتے تھے کہ شاید اس میں ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کی، جن کو وہ اپنا خلیفہ بنا کر گئے تھے، مداہنت کا بھی دخل ہو، اس لیے سخت غصے میں ہارون

میری بات کا انتظار نہ کیا۔[1] (۹۴)

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿٩٥﴾

موسیٰ (علیہ السلام) نے پوچھا سامری تیرا کیا معاملہ ہے۔(۹۵)

قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿٩٦﴾

اس نے جواب دیا کہ مجھے وہ چیز دکھائی دی جو انہیں دکھائی نہیں دی، تو میں نے فرستادۂ الٰہی کے نقش قدم سے ایک مٹھی بھر لی اسے اس میں ڈال دیا[2] اسی طرح میرے دل نے یہ بات میرے لیے بھلی بنا دی۔(۹۶)

قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ

کہا اچھا جا دنیا کی زندگی میں تیری سزا یہی ہے کہ تو کہتا رہے کہ مجھے نہ چھونا،[3] اور ایک اور بھی وعدہ تیرے

علیہ السلام کی داڑھی اور سر پکڑ کر انہیں جھنجھوڑنا اور پوچھنا شروع کیا، جس پر حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں اتنا سخت رویہ اپنانے سے روکا۔

(۱) سورۂ اعراف میں حضرت ہارون علیہ السلام کا جواب یہ نقل ہوا ہے کہ "قوم نے مجھے کمزور خیال کیا اور میرے قتل کے درپے ہو گئی" (آیت-۱۴۲) جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنی ذمے داری پوری طرح نبھائی اور انہیں سمجھانے اور گوسالہ پرستی سے روکنے میں مداہنت اور کوتاہی نہیں کی۔ لیکن معاملے کو اس حد تک نہیں جانے دیا کہ خانہ جنگی شروع ہو جائے کیونکہ ہارون علیہ السلام کے قتل کا مطلب پھر ان کے حامیوں اور مخالفوں میں آپس میں خونی تصادم ہوتا اور بنی اسرائیل واضح طور پر دو گروہوں میں بٹ جاتے، جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام چوں کہ خود وہاں موجود نہ تھے، اس لیے اس صورت حال کی نزاکت سے بے خبر تھے، اسی بنا پر حضرت ہارون علیہ السلام کو انہوں نے سخت سست کہا۔ لیکن پھر وضاحت پر وہ اصل مجرم کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس لیے یہ استدلال صحیح نہیں (جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں) کہ مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کی خاطر شرکیہ امور اور باطل چیزوں کو بھی برداشت کر لینا چاہیے۔ کیوں کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے نہ ایسا کیا ہی ہے، نہ ان کے قول کا یہ مطلب ہی ہے۔

(۲) جمہور مفسرین نے الرَّسُوْلِ سے مراد جبرائیل علیہ السلام لیے ہیں اور مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کو گزرتے ہوئے سامری نے دیکھا اور اس کے قدموں کے نیچے کی مٹی اس نے سنبھال کر رکھ لی، جس میں کچھ خرق عادت اثرات تھے۔ اس مٹی کی مٹھی اس نے پگھلے ہوئے زیورات یا بچھڑے میں ڈالی تو اس میں سے ایک قسم کی آواز نکلنی شروع ہو گئی جو ان کے فتنے کا باعث بن گئی۔

(۳) یعنی عمر بھر تو یہی کہتا رہے گا کہ مجھ سے دور رہو، مجھے نہ چھونا، اس لیے کہ اسے چھوتے ہی چھونے والا بھی اور یہ سامری بھی دونوں بخار میں مبتلا ہو جاتے۔ اس لیے جب یہ کسی انسان کو دیکھتا تو فوراً چیخ اٹھتا کہ لَا مِسَاسَ کہا جاتا ہے کہ

وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ
عَلَيْهِ عَاكِفًا ۭ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿٩٧﴾

ساتھ ہے جو تجھ سے ہرگز نہ ٹلے گا[1] اور اب تو اپنے اس معبود کو بھی دیکھ لینا جس کا اعتکاف کیے ہوئے تھا کہ ہم اسے جلا کر دریا میں ریزہ ریزہ اڑا دیں گے۔[2] (٩٧)

اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿٩٨﴾

اصل بات یہی ہے کہ تم سب کا معبود برحق صرف اللہ ہی ہے اس کے سوا کوئی پرستش کے قابل نہیں۔ اس کا علم تمام چیزوں پر حاوی ہے۔(٩٨)

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ
مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿٩٩﴾

اسی طرح ہم تیرے[3] سامنے پہلے کی گزری ہوئی وارداتیں بیان فرما رہے ہیں اور یقیناً ہم تجھے اپنے پاس سے نصیحت عطا فرما چکے ہیں۔[4] (٩٩)

مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿١٠٠﴾

اس سے جو منہ پھیر لے گا[5] وہ یقیناً قیامت کے دن اپنا بھاری بوجھ لادے ہوئے ہو گا۔[6] (١٠٠)

پھر یہ انسانوں کی بستی سے نکل کر جنگل میں چلا گیا' جہاں جانوروں کے ساتھ اس کی زندگی گزری اور یوں عبرت کا نمونہ بنا رہا۔ گویا لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے جو شخص جتنا زیادہ حیلہ و فن اور مکرو فریب اختیار کرے گا' دنیا و آخرت میں اس کی سزا بھی اسی حساب سے شدید تر اور نہایت عبرت ناک ہو گی۔

(١) یعنی آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہے جو ہر صورت بھگتنا پڑے گا۔

(٢) اس سے معلوم ہوا کہ شرک کے آثار ختم کرنا بلکہ ان کا نام و نشان تک مٹا ڈالنا' چاہے ان کی نسبت کتنی ہی مقدس ہستیوں کی طرف ہو' توہین نہیں' جیسا کہ اہل بدعت' قبر پرست اور تعزیہ پرست باور کراتے ہیں' بلکہ یہ توحید کا منشا اور دینی غیرت کا تقاضا ہے۔ جیسے اس واقعے میں اس أَثَرِ الرَّسُولِ کو نہیں دیکھا گیا' جس سے ظاہری طور پر روحانی برکات کا مشاہدہ بھی کیا گیا' اس کے باوجود اس کی پروا نہیں کی گئی' اس لیے کہ وہ شرک کا ذریعہ بن گیا تھا۔

(٣) یعنی جس طرح ہم نے فرعون و موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا ہے' اسی طرح انبیائے ماسبق کے حالات ہم آپ پر بیان کر رہے ہیں تاکہ آپ ان سے باخبر ہوں' اور ان میں جو عبرت کے پہلو ہوں' انہیں لوگوں کے سامنے نمایاں کریں تاکہ لوگ اس کی روشنی میں صحیح رویہ اختیار کریں۔

(٤) نصیحت (ذکر) سے مراد قرآن عظیم ہے۔ جس سے بندہ اپنے رب کو یاد کرتا' ہدایت اختیار کرتا اور نجات و سعادت کا راستہ اپناتا ہے۔

(٥) یعنی اس پر ایمان نہیں لائے گا اور اس میں جو کچھ درج ہے' اس پر عمل نہیں کرے گا۔

(٦) یعنی گناہ عظیم اس لیے کہ اس کا نامۂ اعمال' نیکیوں سے خالی اور برائیوں سے پر ہو گا۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَاۗءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ۝۱۰۱

جس میں ہمیشہ ہی رہے گا‘(۱) اور ان کے لیے قیامت کے دن (بڑا) برا بوجھ ہے۔(۱۰۱)

يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ۝۱۰۲

جس دن صور (۲) پھونکا جائے گا اور گناہ گاروں کو ہم اس دن (دہشت کی وجہ سے) نیلی پیلی آنکھوں کے ساتھ گھیر لائیں گے۔(۱۰۲)

يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ۝۱۰۳

وہ آپس میں چپکے چپکے کہہ رہے (۳) ہوں گے کہ ہم تو (دنیا میں) صرف دس دن ہی رہے۔(۱۰۳)

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ۝۱۰۴

جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں اس کی حقیقت سے ہم باخبر ہیں ان میں سب سے زیادہ اچھی راہ (۴) والا کہہ رہا ہو گا کہ تم تو صرف ایک ہی دن رہے۔(۱۰۴)

وَيَسْــَٔـلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ۝۱۰۵

وہ آپ سے پہاڑوں کی نسبت سوال کرتے ہیں‘ تو آپ کہہ دیں کہ انہیں میرا رب ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا۔(۱۰۵)

فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝۱۰۶

اور زمین کو بالکل ہموار صاف میدان کر کے چھوڑے گا۔(۱۰۶)

لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ۝۱۰۷

جس میں تو نہ کہیں موڑ توڑ دیکھے گا نہ اونچ نیچ (۱۰۷)

---

(۱) جس سے وہ بچ نہ سکے گا‘ نہ بھاگ ہی سکے گا۔

(۲) صُورٌ سے مراد وہ قَرْنٌ (نرسنگا) ہے‘ جس میں اسرافیل علیہ السلام اللہ کے حکم سے پھونک ماریں گے‘ تو قیامت برپا ہو جائے گی‘ (مسند احمد- ۲ / ۱۹۱)‘ ایک اور حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اسرافیل علیہ السلام نے قرن کا لقمہ بنایا ہوا ہے‘ (یعنی اسے منہ لگائے کھڑا ہے) پیشانی جھکائی یا موڑی ہوئی ہے‘ رب کے حکم کے انتظار میں ہے کہ کب اسے حکم دیا جائے اور وہ اس میں پھونک مار دے“ (ترمذی‘ أبواب صفة القيمة‘ باب ماجاء فی الصور) حضرت اسرافیل علیہ السلام کے پہلے نفخے سے سب پر موت طاری ہو جائے گی‘ اور دوسرے نفخے سے بحکم الٰہی سب زندہ اور میدان محشر میں جمع ہو جائیں گے۔ آیت میں یہی دوسرا نفخہ مراد ہے۔

(۳) شدت ہول اور دہشت کی وجہ سے ایک دوسرے سے چپکے چپکے باتیں کریں گے۔

(۴) یعنی سب سے زیادہ عاقل اور سمجھ دار۔ یعنی دنیا کی زندگی انہیں چند دن بلکہ گھڑی دو گھڑی کی محسوس ہو گی۔ جس طرح دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ڏ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ﴾ (الروم: ۵۵)